© rasailojaraid.com

مولانا نور عالم خلیل امینی
ایڈیٹر الداعی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلبی شامیؒ

۱۳۳۶ــ ۱۴۱۷ھ / ۱۹۱۷ــ ۱۹۹۷ء

(خاکہ وتاثرات)

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

شب دوشنبہ ۹ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ (بحساب ہندوستانی جنتری) ۱۰ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ (بحساب سعودی جنتری) مطابق ۱۷ / ۲ / ۱۹۹۷ء ٹھیک ۱۲ ۲ / ۱ بجے (بوقت ہندوستان) دس بجے (بوقت سعودی عرب) مطالعہ کی کتاب کو میز پر ڈال اور الارم گھڑی بغل میں رکھ میں بستر پر دراز ہونا ہی چاہتا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، میں نے رسیور ہاتھ میں لیا تو معلوم ہوا کہ ریاض سے ایک قاسمی دوست کا فون ہے، انہوں نے علیک سلیک کے بعد جب یہ کہا کہ میں تمھیں ایک اندوہ ناک خبر سنانے جارہا ہوں تو راقم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے ان سے عرض کیا" بتائیں" انہوں نے کہا آج یعنی بروز یکشنبہ 16 فروری 1997ء بوقت فجر، ریاض کے ہسپتال" مستشفی الملک فیصل التخصصی" میں علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رکن اساسی رابطہ عالم اسلامی اور سابق نگران اعلیٰ اخوان المسلمین سیریا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ابھی ذرا دیر پہلے مسجد نبویؐ میں ان کی نماز جنازہ ہوئی ہے اور جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے ہیں۔ کافی دیر تک انا للہ...... کا ورد کرتا اور اپنے کو تسلی دیتا رہا۔ نگاہوں کے سامنے علم وعمل کی برکات سے منور ان کے روشن چہرے کی تصویر پھر گئی اور ان کی دید وشنید کا پورا دورانیہ سامنے آگیا۔

ہمارے دوست کی مہربانی سے ان کے عالم جاودانی کو سدھار جانے کی خبر فوراً مل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی، خدا انہیں بھی خوش رکھے، لیکن دل پر غم واندوہ کی فضا نے جس طرح ڈیرہ ڈالا اور اس وقت سے اب تک قلب وجگر کی جو کیفیت ہے اسے خدائے علیم ہی جانتا ہے، اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔

رنج والم کی یہ کیفیت برصغیر کے صرف چند ہی علماء ربانییں اور عالم اسلام کے انگلیوں پر شمار کیے جانے والے مفکرین وادبائے مخلصین کی وفات پر ہی محسوس ہوئی تھی۔ میرا ایمان ہے کہ دل فگاری کی اسی کیفیت سے عالم اسلام وعالم عرب میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً وہ ہزاروں علما دوچار ہوتے ہوئے ہوں گے جنہیں ان سے ان کی للہیت اور ان کے غیر معمولی علم وفضل کی وجہ سے اسی طرح کی محبت وعقیدت تھی، جیسی عہدقریب کے برصغیر کے خدارسیدہ ومحبت چیدہ علمائے عالی مقام ومشائخ ذی احترام سے۔

اس دور آخر میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ایسے عالم باعمل، محدث، دیدہ وراور فقیہ نبض آشنائے شریعت مطہرہ کی نظیر عالم عرب واسلام میں کم ہی ملے گی بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بے مثال تھے۔ ان کی علمی بے پناہی کے ساتھ ان کے ذوق عبادت وشوق طاعت اور علمی ہمہ گیری میں بالخصوص عالم عرب میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، ہرچند کہ بعض حلقوں کو شاید یہ بات ناگوار گزرے جو اپنے مکتبہ فکر کے خول سے باہر دیکھنے کا حوصلہ نہیں جتا پاتے۔

میں نے عالم اسلام کو جہاں تک دیکھا اور سنا ہے تو میں نے یہ پایا ہے کہ وہاں علامہ کبیر، محدث جلیل، مفکردوراندیش، مفتی باخبر، قاضی بابصیرت کی کوئی کمی نہیں۔ البتہ وہاں ایسے انسانوں کی بے شک کمی ہے جو اپنے علمی وعملی منصب کے معیار پر سیرت وکردار اور عمل واخلاق کے اعتبار سے پورے اترتے ہوں۔ وسیع العلمی دقیق النظری کے ساتھ ساتھ بہت سارا پیہم اور مربوط عمل، یہی وہ امتیاز ہے جو علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کو اپنے بہت سے اقران سے جدا کرتا ہے، ان اقران سے جن کے اسماء والقاب، شکل وصورت، کلاہائے بلند، زبان ہائے فصاحت ریز وقلم ہائے رواں وسیل صفت سے ایسی شوکت وعظمت برستی ہے کہ صرف ہم ایسے خردوں ہی کا نہیں بہت سے بزرگوں کا بھی مرعوبیت کے مارے براحال ہوجاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر یہ کہ علم کے اعتبار سے بھی وہ صرف ایک دوفن کے غواص نہیں تھے، بلکہ سلف صالحین اور علمائے متقدمین کی طرح بہت سارے علوم کے شناور تھے۔ علوم قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، اسماء الرجال اور تاریخ وغیرہ میں ان کی استاذیت تو مسلم تھی ہی لیکن وہ عربیت، صرف ونحو، معانی وبیان، علم العروض والقوافی، فن انشاپردازی ونثرنگاری، منطق وفلسفہ اور عالم النفس کے بھی صاحب نظر عالم اور ماہر مصنف تھے۔

انہی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے ساری دنیائے عرب واسلام میں ہزاروں علماوطلبہ وعلم دوست لوگوں کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ وہ دنیائے علم کا ایک تاب ناک ترین ستارہ، ایک معتبر علامت اور حلقہ فقہا ومحدثین وعلماء زاہدین کا گوہر شب تاب تھے۔

علم کا ایسا رسیا اور اسے ہر ممکن طریقے سے حاصل کرنے اور ہمہ وقت اس میں لگا رہنے والا، نیز اپنے سے بن وسال میں چھوٹے اور تجربہ وآگہی میں کم تر سے بھی فیض یاب ہونے کا حوصلہ رکھنے والا میں نے ان کے ایسا کسی اور کو کیوں دیکھا ہوگا اپنے سے بڑے سے اکتساب کا تو ذکر ہی کیا۔

اسی شوق طلب کی وجہ سے ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد ۱۲۰ (ایک سو بیس) تک پہنچتی ہے، ان میں سے اکثر کا تعلق ان کے مادر وطن حلب ودمشق پھر قاہرہ ومصر، مغرب عربی اور برصغیر سے ہے، جہاں کے علماء کے وہ بے حد دل دارہ ومعتقد رہے تھے اور زندہ ومردہ دونوں قسم کے علماء سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

علمائے ہند سے ربط وتعلق:۔

وفات یافتہ علماء میں سے وہ امام عالی مقام احمد بن عبدالرحیم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ / ۱۷۰۳ - ۱۷۶۳ء) علامہ عبدالحئی فرنگی محلی (۱۲۶۴ - ۱۳۰۴ھ / ۱۸۴۸ - ۱۸۸۶ء) سے بہت عقیدت رکھتے تھے، ثانی الذکر کی بہت سی کتابوں کو اپنی تحقیق وتحشیے کے ساتھ عالم عرب سے شائع کیا اور علمائے عرب کو ان سے متعارف ہونے اور فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔

ان دونوں بزرگوں کے بعد وہ محدث عبقری علامہ محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہ (۱۲۹۲ - ۱۳۵۲ / ۱۸۷۵ - ۱۹۳۳ء) کے حددرجہ قدرداں تھے۔ ان کی میراث علمی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ فائدہ اٹھاتے اور اپنے عرب دوستوں کو اس علمی خزانے سے اپنا حصہ پانے کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ علامہ کی ایک سے زیادہ کتابوں کو ایڈٹ کر کے بیروت وغیرہ سے شائع کیا تھا۔

پھر علامہ کشمیری کے تلمیذ رشید مولانا بدر عالم میرٹھی (۱۲۱۶ ـ ۱۳۸۵ھ / ۱۸۹۸ ـ ۱۹۶۵ نیز محدث کبیر مولانا ظفر احمد تھانوی صاحبؒ اعلاء السننؒ (۱۳۱۰ ـ ۱۳۹۴ھ / ۱۸۹۲ ـ ۱۹۷۴ء) جن کی کتابؒ اعلاء السننؒ پر ان کا فاضلانہ مقدمہ علم حدیث میں ان کی دست گاہ کی روشن دلیل ہے۔ نیز مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی پاکستانی (۱۳۱۴ ـ ۱۳۹۴ھ / ۱۸۹۴ ـ ۱۹۷۶ء) اور علامہ کشمیری کے شاگرد رشید اور ان کے علمی ترکے کے مدون وناشر محدث کبیر مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ معارف السننؒ (۱۳۲۶ ـ ۱۳۹۷ھ / ۱۹۰۸ ـ ۱۹۷۷ء) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا کاندھلوی (۱۳۱۵ ـ ۱۴۰۲ھ / ۱۸۹۷ ـ ۱۹۸۲ء) اور دور آخر میں برصغیر کے محدیث و محقق مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۱۳۱۹ ـ ۱۴۱۲ھ / ۱۹۰۱ ـ ۱۹۹۲ء) کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ان میں سے جنھیں پایا ان کی صحبت اور علمی خزانے اور جنھیں نہیں پایا ان کی تصنیفات سے علمی دقیقہ رسی وگوہرباری سیکھی اور علماء وطلبہ کو انہیں حرز جاں بنالینے کی تلقین کی۔

برصغیر کے خطیب بے بدل اور اسلام کے لسان ناطق مولانا قاری محمد طیبؒ (۱۳۱۵ ـ ۱۴۰۳ / ۱۸۹۷ ـ ۱۹۸۳ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مشہور مفکر وداعی ومصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ (۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء ـ) سے حددرجہ قلبی انس، فکری ہم آہنگی، روحانی یکسانیت اور مسلکی یگانگت تھی۔

علامہ ابوغدہ نے ائمۃ سلف کی کتابوں پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ علمائے ہند کی تصنیفات وتالیفات کو بھی اپنی علمی توجہ کا مرکز بنایا، چنانچہ دقت ریزی کے ساتھ عصری اسلوب میں انہیں ایڈٹ کیا، ان پر حاشیہ نویسی کی اور انہیں عالم عرب کے مکتبات سے بڑی عرق ریزی کے ساتھ شائع کروایا۔ اس طرح علمائے عرب کو ان سے مطلع ہونے اور ان سے علمی پیاس بجھانے کی راہ ہموار ہوئی۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے بعض ہندی علماء کو بھی ہمارے اکابر کی بہت سی تصنیفات کا علم تب ہوا جب شیخ ابوغدہ نے ان کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا اور انہیں روشنی میں لائے۔ افسوس ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے برصغیر کو ان کی قدر وقیمت کے ساتھ جاننے والا دنیائے عرب میں شیخ ابوغدہ کی قدوقامت کا اب کوئی عالم نہیں رہا۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے مشائخ سے عقیدت:۔

وہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ گیر علمی ودینی خدمات کے بڑے مداح اور وکیل تھے۔ علم ودین واخلاص کے حوالے سے بانیان دارالعلوم کے مقام و مرتبہ کو خوب خوب جانتے تھے اور اس دیار میں اسلامی حکومت وشوکت کے زوال کے بعد اسلامی وجود کی بالعموم اور دینی علوم ودین اسلام کی بالخصوص حفاظت کے سلسلے میں ان کے کردار کی آگہی اس طرح رکھتے تھے کہ اب کسی عزلی عالم سے موجودہ حالات کے چوکھٹے میں شاید ہی امید کی جاسکے۔ وہ دیوبند کئی مرتبہ آئے اور اپنی حسین یادوں اور عطر بیز تاثرات کا اپنی گل ریز زبان میں اظہار کیا۔ وہ دارالعلوم میں اپنے کو موجود پاکر قلبی اطمینان اور روحانی سکون محسوس کرتے جیسے مچھلی کو سازگار پانی مل گیا ہو اور خدام دارالعلوم کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے کسی سلف کی محفل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ انہیں دیوبند سے ہر طرح مسلکی ودعوتی اتفاق وامتزاج تھا۔

مختصر سوانحی خاکہ:۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بن محمد بن بشیر بن حسن، ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء میں سیریا یعنی ملک شام کے شمالی شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب صحابی رسول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ ان کے خاندان میں مکتوبہ شکل میں شجرہ نسب محفوظ ہے۔ حلب کے علماء ومشائخ سے کسب علم کیا۔ خصوصاً مدرسہ سرویہ عثمانیہ میں جو اس وقت مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میں سند فراغ حاصل کیا ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں فارغ ہوئے۔ پھر مدینۃ علم وثقافت قاہرہ کارخ کیا اور جامع ازہر سے ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں علوم شرعیہ میں سند فراغ حاصل کیا اور وہیں سے ۱۳۶۸ھ / ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیہ سے اصول تدریس میں اختصاص کی سند حاصل کی۔

شیخ کے بعض تلامذہ نے لکھا ہے کہ ان کی روحانی تشکیل وتعمیر میں جن صاحب تاثر علماء کا بطور خاص حصہ رہا ہے ان میں علامہ وفقیہ مربی شیخ عیسیٰ بیانوی حلبی متوفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء مدفون بہ جنت البقیع مدینہ منورہ، علامہ و محدث و مورخ و ادیب شیخ محمد راغب طباخ حلبی متوفی ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء اور فقیہ و لغوی علامہ مصطفیٰ الزرقا حلبی مدظلہ سرفہرست رہے ہیں۔

جامع ازہر میں علامہ ابوغدہ نے ایسے یگانہ روزگار علماء و مشایخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن کی نظیر اب جامع ازہر میں یا دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ ان میں قابل ذکر فیلسوف اسلام شیخ یوسف دجوی متوفی ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۴ء، شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری متوفی ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء، محدث جلیل علامہ احمد محمد شاکر متوفی ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء اور علامہ واصولی و لغوی شیخ الازہر محمد الخضر حسین رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔

قاہرہ میں جس شخصیت نے انہیں سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کا ان کے اوپر سب سے زیادہ رنگ چڑھا اور وہ ان کے دل میں گھر کرگئی اور زندگی بھر اس کے سحر میں گرفتار اور اس کے فکر و نظر کے قدح خوار رہے وہ امام وقت، علامہ زماں، محدث دوراں محمد زاہد کوثریؒ متوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء کی شخصیت تھی۔ علامہ کوثری بھی علامہ ابوغدہ کی ذہانت، ذوق مطالعہ، شوق طلب اور جنون جستجو سے بہت متاثر تھے، حتیٰ کہ اگر حاضری میں زیادہ ناغہ کرتے تو انہیں شاق گزرتا اور اس سلسلے میں انہیں متنبہ کرتے۔

علامہ ابوغدہ کی زندگی و حالات کا مطالعہ کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علامہ کے ہاں جو علمی تنوع تھا، تحصیل علم میں زندگی بھر جو انہماک، لگن اور جان سوزی رہی وہ ان کے اندر علامہ کوثری ہی کی صحبت اور نفس گرم کی تاثیر تھی کیونکہ کوثریؒ بہت سارے علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے۔

مصر میں علامہ نے میر کارواں امام حسن البنا شہید (ش ۱۹۴۹) کی نگہ بلند، سخن دل نواز اور جان پرسوز سے رخت سفر حاصل کیا، ان کی اخوان المسلمون کے فکر و نظر کو اپنایا اور تادم زندگی عالم عرب کی نشاۃ ثانیہ کی اس سب سے بڑی اور طاقت ور ذی تاثیر جماعت و تحریک کے اعلیٰ قائدین میں ان کا شمار رہا اور اپنے ملک کے اخوانیوں کو نازک وقتوں میں نہ صرف سہارا دیا بلکہ ان کے عقل و دل کو اپنے شرر شعلہ محبت سے نئی زندگی بخشی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر سے توشۂ علم و آگہی اور زاد عشق و مستی و نظر حکیمانہ ، گفتار دل برانہ اور کردار قاہرانہ کے ساتھ اپنے وطن سیریا واپس آئے تو وہ یہاں کے اخوانیوں کی دعوتی ، فکری اور تحریکی زبان اور ان کے جذبات واحساسات کے ترجمان بن گئے۔ اور وہ ان کی علمی گیرائی وگہرائی ، فرزانگی وسعت قلبی ، روشن ضمیری، حق گوئی و بے باکی، اندیشۂ شاہیں صفت اور سوز و تب و تاب کی وجہ سے ان کر گرد اکھٹا ہوگئے اور وہ ان کے ملجا وماوی بن گئے۔ باوجود یہ کہ وہ شہید علم تھے۔ اور ان کا اوڑھنا بچھونا علمی، دعوتی اور تصنیفی ومطالعاتی اشغال تھا لیکن وقت کی نزاکت نے انہیں کئی مرتبہ اخوان کی انتظامی ذمہ داریوں کو اٹھانے پر بھی مجبور کیا لیکن جلد ہی کسی لائق فرد کے سپرد کر کے سکندری پر قلندری کو ترجیح دیتے رہے۔ ۱۴۰۶ ھ / ۱۹۸۶ ء میں ایک مرتبہ پھر انہیں سیریا کی اخوان کا مراقب عام بننا پڑا۔ لیکن ۱۴۱۱ / ۱۹۹۱ ء میں انہوں نے ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ ذمہ داری سونپ دی۔

اخوان پسندی اور اخوانیوں کے ساتھ اسلام و مسلمانوں کے مسائل کو اٹھانے اور اس اسلامی وعربی ملک میں احکام اسلام کی پامالی کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے ۱۳۸۶ ھ / ۱۹۶۶ ء میں انھیں دعاۃ ومفکرین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا، اور "تدمر" کے صحرائی جیل میں وہ گیارہ (۱۱) ماہ تک قید رہے۔ لیکن ۵ جون ۱۹۶۷ ء / ۱۳۸۷ ء کے المیے کے بعد (جس میں اسرائیل کے مقابلے میں عربوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور بیت المقدس نیز دریائے اردن کے مغربی کنارے اور صحرائے سینا پر اسرائیل کے قبضے کا وہ حادثۂ جاں کاہ پیش آیا تھا جس کا زخم اب ناسور بن چکا ہے اور ذلت ورسوائی کا جو تسلسل تاہنوز جاری ہے، وہ اسی غیرت شکن اور حمیت سوز شکست کی دین ہے) انھیں اور ان کے ساتھ قید علماء ومفکرین کو رہائی نصیب ہوئی تھی۔ (۱)

۱۳۸۲ ھ / ۱۹۶۲ ء میں انہیں سیریائی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کیا گیا جو گویا سیریائی عوام کی طرف سے ان کے حق میں خراج محبت تھا۔ ۱۳۷۰ ھ / ۱۹۵۱ ء میں سیریا کی وزارت معارف کی طرف سے منعقدہ مسابقۂ مدرسین تربیت اسلامی میں حصہ لیا اور تمام شرکاء میں نمبر ایک رہے۔ حلب کے مدارس ثانویہ میں ۱۱ سال تک تربیت اسلامی کا مضمون پڑھایا نیز اس مضمون کی درسی کتابوں کی تیاری میں سرگرم طور پر حصہ لیا اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ساتھ تربیت ائمہ ودعاۃ کے مدرسے موسوم بہ مدرسہ شعبانیہ اور ثانویہ شرعیہ یعنی سابق مدرسہ خسرویہ (جہاں انہوں نے خود بھی تعلیم حاصل کی تھی) تدریس کی خدمت انجام دی۔

پھر انہیں دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کا استاذ منتخب کیا گیا جہاں تین سال تک اصول فقہ، فقہ حنفی، فقہ مذاہب اربعہ کے مضامین پڑھائے اور " معجم فقہ المحلی لابن حزم " کی تکمیل کی جسے دمشق یونیورسٹی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔

اس کے بعد وہ ۲۳ سال ریاض سعودی عربیہ کی دونوں اہم جامعات میں استاذ رہے چنانچہ ۱۳۸۵ ھ / ۱۹۶۵ ء تا ۱۴۰۸ / ۱۹۸۸ ء جامعہ اسلامیہ امام محمد بن مسعود میں اور ۱۴۰۸ ھ تا ۱۴۱۱ ھ / ۱۹۹۱ ء جامعۃ الملک سعود میں وہ حدیث شریف کے ہردل استاذ رہے۔ اس مدت میں ہزاروں طلبہ نے ان کے خوان علم سے خوشہ چینی کی۔ بعض حلقوں کی طرف سے ان کے حنفی واخوانی مذاق ومزاج اور زاہدانہ وصوفیانہ فکرونظر کی وجہ سے اذیت رسانی کا ارتکاب بھی کیا گیا، لیکن علماء سلف صالحین کی طرح انھوں نے صبرواحتساب سے کام لیا اور مذکورہ حلقے کے جدال پسند ونقاش پیشہ وتنگ نظری شعار وسلامت روی بیزار علماء کی طرح کبھی انتقامی کاروائی کی نہیں سوچی بلکہ اپنا معاملہ صرف اپنے رب شکور کے سپرد کرکے یک سو ہوگئے اور اپنے کردار، اپنے علمی مقام، اپنی گراں مایہ وبے نظیر علمی ودینی خدمات کو خدا اور خلق خدا کے روبہ رو شہادت ناطقہ رہنے دیا۔

علمی ہمہ گیری :-

علامہ ابوغدہ کو فقہ حنفی پر عبور تھا جس کے وہ متبع بھی تھے۔ نیز فقہ شافعی اور دیگر اسلامی مذاہب کی فقہ پر بھی کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ اصول فقہ، اصول حدیث، فن اسماء الرجال اور حدیث کے متناً وسنداً ورِوایۃً ماہر تھے۔ ساری زندگی ان فنون کے پڑھنے پڑھانے، نشرواشاعت اور تصنیف وتالیف میں گزاری۔ ان فنون پر اپنی تالیفات اور سلف کی تصنیفات کی تحقیقات، وتعلیمات کے ذریعے عصر حاضر کے علماء وطلبہ کے لیے استفادے کو آسان بنادیا۔ ان کی تصنیفات اور تحقیقات دونوں میں وہ بلغ نظری،جامعیت اوروسعت فکری ہے۔ جس کا سرچشمہ ہمہ وقتی مطالعہ، بے تکان کتب بینی، کشادہ قلبی اور علم النفس کی غواصی ہے۔ جس میں انہوں نے دوسال تک ماہرانہ بصیرت پیدا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی۔ اس لیے ان کی تصنیفات و تحقیقات بلکہ محاضرات وخطابات میں اس طرح کا موازنہ ومحاکمہ ہوا کرتا ہے جس کی بنیاد علم النفس پر قائم ہوتی ہے۔

ان کے علمی کام کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے۔ جس کا دوتہائی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے متعلقات کے موضوع پر ہے اور ایک تہائی کا تعلق فقہ اوردیگر اسلامی موضوعات سے ہے۔ (۲) استاذ عبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان نے صحیح کہا ہے کہ:

"علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کے مطالعوں میں حدیث اور اس کے علوم کو امتیازی اہمیت حاصل ہے۔ اس معزز علمی میدان میں انہوں نے اسلامی لائبریری کو پختہ تصنیفات سے مالامال کیا ہے۔ بعض موضوعات پر قلم اٹھانے والے وہ پہلے مصنف ہیں۔ ان کی تالیفات اپنی خصوصیات، نقطہ ہائے نظر، اغراض ومقاصد، تنوع، مشمولات کی خوبیوں اوراسلوب نگارش وطرز تخاطب کی سحرکاری کے اعتبار سے ممتاز مکتبۂ فکر کی نمائندہ ہیں۔ یہ تصنیفات عقل وخرد کو اپیل کرتی ہیں۔ ان کی بنیاد ٹھوس علمی اصولوں پر ہے۔ جن کو اخلاص وتواضع نے چارچاند لگادیے ہیں۔ یہ تصنیفات علامہ کی شخصیت کا آئینہ، ان کی ذہنیت کی دلیل اور ان کی اس روحانی شفافیت کی غماز ہیں جس کے طفیل انہوں نے علمی دنیا کو تاب ناک خیالات اور بے مثال فوائد وحصول یا بیوں سے نوازا ہے"۔ (۳)

علامہ کی ایک اور خصوصیت:-

ان کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی جو ان کے اور دیگر علمائے معاصرین کے درمیان خط فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ یہ کہ انہیں زبان اور متعلقہ علوم وفنون پر بھی عبور تھا۔ عربی کے نثر ونظم کا اتنا بڑا سرمایہ انہیں محفوظ تھا کہ اس پختگی کے ساتھ بعض پیشہ ور ادبا واہل قلم کو بھی محفوظ نہیں ہوتا۔ عربی زبان کے مفردات ولغات اس کے نظائر وشواہد کی ساتھ، قواعد صرف ونحو اختلاف مذاہب کے ساتھ اور مسائل بلاغت اس کے دلائل کے ساتھ یاد تھے۔

استاذ محمد عوامہ نے جو شیخ ابوغدہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں) اپنے ایک مضمون میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے جس سے اس فن کے حوالے سے علامہ کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے:

" ..... ثانوی مرحلے کے پہلے سال میں جب ہم طالب علم تھے تو ہمارے ایک استاذ نے بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ وہ دمشق گئے، وہاں ایک مدرس کی سبق میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے ایک لفظ کے تلفظ یا اعراب (مجھے یاد نہیں رہا) کے متعلق انہیں اشکال ہوا۔ مدرس صاحب نے ایک طالب علم سے کہا کہ "القاموس المحیط" (۴) لے آؤ تو ہمارے استاذ نے جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے فرمایا! قاموس لانے کی کیا ضرورت ہے یہ رہے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ جو قاموس گویا ہیں۔ آپ جو چاہیں معلوم کرلیں"۔ (۵)

استاذ محمد عوامہ نے اس واقعہ کے درج کرنے کےبعد یہ اشارہ بھی کردیا ہے کہ ہمارے مذکورہ استاذ شیخ ابوغدہؒ کے ہم خیال نہیں تھے۔ بلکہ انہیں ان سے خدا واسطے کا بیر تھا اس کے باوجود ہوا وہی کہ جادووہ جوسر چڑھ کے بولے۔

بات یہ ہے کہ علامہ نے حصول علم کے لیے شمع کی طرح جلنےاور پروانے کی طرح نچھاور ہونے کا سلیقہ سلف ہی کی طرح سکھا تھا جو خدا کی توفیق اور اس کے لطف خاص کے بغیر ممکن نہیں اسی لیے انہیں علمی دنیا میں وہ نام ومقام حاصل ہوا جو معاصرین میں کم لوگوں کے حصے میں آیا۔ استاذ محمد عوامہ نے ان کی علمی پیاس کے حوالے سے مندرجہ ذیل واقعہ سپرد قلم کیا ہے۔

" علامہ ابوغدہؒ کے نوجوان استاذوں میں سے ایک تھے۔ شیخ محمد سلقینیؒ ایک مرتبہ کچھ دنوں کے لیے انہیں سفر درپیش ہوا۔ انہوں نے سبق کا ناغہ مناسب نہیں سمجھا اس لیے اپنے شاگرد ابوغدہؒ کو مدرسہ خسرویہ میں قائم مقام کرگئے۔ انہوں نے استاذ کی قائم مقامی کا حق ادا کردیا۔ جب شیخ سلقینی سفر سے واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پوچھا کہ! کیا شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ آپ کے شاگرد ہیں تو سلقینیؒ نے بڑے تواضع کے ساتھ فرمایا کہ! ہاں کبھی ہوا کرتے تھے لیکن اب میں ان کا شاگرد ہوں۔ میں انہیں نحو میں شرح اجرومیہ پڑھایا کرتا تھا اور وہ فن کی اونچے درجے کی کتاب "مغنی اللبیب" سے مطالعہ کرکے آیا کرتے تھے۔ (۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوادر کتب کے حصول کا شوق بے پناہ اور اس سلسلے کے دلچسپ سبق آموز واقعات :-

ذوق علم کے نتیجے میں انہیں کتابوں سے غایت درجہ محبت تھی جو ایک سچے طالب علم کی پختہ علامت ہے۔ نوادر کتب کے حصول، مخطوعات کی ذخیرہ اندوزی کے لیے ہر طرح سے کوشاں رہتے۔ اس سلسلے میں وقت،مال، محنت اور بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ بعض کتابوں کے مقدموں میں انہوں نے اس سلسلے کے بعض واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدرمدرس علامہ محمد انورشاہ کشمیریؒ کی کتاب " التصریح بماتواتر فی نزول المسیح" کوانہوں نے کس محنت و جستجو کے بعد پایا اور پھر اس کو اپنی تحقیق انیق کے ساتھ عالم عربی سے شائع کیا اس کا واقعہ خود انھی کی زبانی سنیے:

"..... یہ کتاب جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے اس کا حصول میری زندگی کی اہم آرزو تھا، لیکن اس آرزو کا پانا میرے لیے دشوار ثابت ہوا۔ میں مسلسل پندرہ سال سے اس کے ہندوستانی نسخے کے حصول کے لیے کوشاں ہوں۔ مصر میں جو کتابوں کا ملک ہے اپنے چھ سالہ قیام کے دوران میں نے اس کی جستجو کی۔ پھر میں نے اسے مکہ مدینہ اور بغداد نیز دیگر عربی ملکوں کے کتب خانوں میں ڈھونڈا لیکن نہیں ملی۔ ہندوپاک کے بعض علمائے گرامی سے میں نے درخواست کی کہ وہ اپنے ہاں کا چھپا ہوا اس کتاب کا کوئی نسخہ فراہم کردیں۔ انہوں نے قابل شکر کوششیں کیں لیکن انہیں بھی نہیں ملی۔

"چونکہ یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے مصنف کی امامت کے حوالے سے منفرد ہے۔ اس لیے ۱۳۴۴ھ میں طبع ہونے کے ساتھ ہی علماء وطلبہ نے اسے اچک لیا اور بعد میں اس کے کسی نسخے کا حصول مشکل ہوگیا۔ خدا نے جب ہندوپاک کے سفر کا موقع دیا ، میں نے وہاں کی لائبریریاں دیکھیں ، وہاں اس کی تلاش میں سعی کی لیکن دستیاب نہ ہوسکی۔ ہندوستان سے میں پاکستان آگیا، کراچی میں قیام رہا، وہاں علامہ و محقق جلیل القدر مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی پاکستانی سے ملاقات ہوئی۔ ان کا بڑا کرم ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا اپنا محفوظ اور خاص نسخہ مجھے عنایت فرمایا اور خواہش کی کہ عالم عربی میں یہ کتاب ضرور چھپ جائے۔ میں نے اپنے سفرواپسی شبینہ ، جمادی الاولی ۱۳۸۲ھ سے قبل یہ ھدیہ شکر ہے اور قدردانی کے ساتھ قبول کیا۔" (۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتح باب العنایہ" کو بھی انہوں نے اپنے مقدمے اور تحقیقات کے ساتھ شائع کیا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے انہوں نے کس طرح ملکوں، شہروں اور گلیوں کی خاک چھانی۔ انہی کے قلم کی زبانی سنیئے:

"تکمیل تعلیم کے لیے میں نے مصر میں چھ سال گزارے۔ جس جس کتب خانے میں گمان ہوتا کہ یہ کتاب وہاں موجود ہوگی میں وہاں جاتا اور اس کے متعلق معلوم کرتا رہا لیکن اس کا کوئی اتا پتا نہ چل سکا۔

" اپنے شہر حلب واپسی پر بھی میں نے ہر اس شہر میں اس کی پیہم تلاش جاری رکھی جہاں مجھے جانے کا اتفاق ہوااور تمام مکتبات میں اس کو ڈھونڈتا رہا جن میں قدم رکھنے کی نوبت آئی۔ حتیٰ کہ ایک جان کار کتب فروش حمدی سفرجلانی دمشقیؒ سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب روس کے شہر "کازان" میں چھپی تھی لیکن وہ اس وقت کبریت احمر سے زیادہ نادر الوجود ہے جو انہوں نے ناقابل یقین حد تک اونچی قیمت میں علامہ کوثریؒ کو فروخت کیا تھا۔ ان کے کہنے سے مجھے یہ تو معلوم ہوگیا کہ کتاب کس شہر میں طبع ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی اس کے حصول کے حوالے سے میں ناامید سا ہوگیا۔

" خدا نے ۱۳۷۶ھ میں جب اپنے گھر کے حج کی توفیق دی اور مکہ مکرمہ کی زیارت سے شرف یاب ہوا تو میں گھوم گھوم کر وہاں کے مکتبات میں اس کتاب کا اتا پتا معلوم کرتا رہا کہ شاید اس دیار سے شہر حرام مکہ مکرمہ کو ہجرت کنندہ کسی صاحب کے ساتھ یہاں آئی ہو، لیکن ناکام رہا۔

" خدائے کریم کی عنایت سے میں مکہ مکرمہ کے ایک معمولی سے بازار کے ایک گوشے میں ایک کتب فروش کی دوکان پر جا پہنچا یعنی شیخ مصطفیٰ بن محمد شنقیطی کی دکان پر میں نے ان سے کچھ کتابیں خریدیں اور مایوسانہ احساس کے ساتھ میں نے ان سے بھی اس کتاب کو دریافت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ دو ہفتے قبل میرے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جو مجھے بعض بخاریوں کے ترکے سے حاصل ہوئی تھی۔ میں نے اچھی قیمت پر طاش قند کے ایک بخاری عالم کو بیچ دی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں لیکن انہوں نے اس کتاب کا سراپا اس طرح بیان کردیا کہ مجھے کتاب کے سلسلے میں ان کی جان کاری کا یقین ہوگیااور میں نے باور کرلیا کہ یقیناً یہ مطلوبہ کتاب ہی ہے جس کی تلاش میں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانۂ دراز سے سرگرداں رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس کتاب کو خریدنے والے عالم طاش قندی کون ہیں؟ تو انہوں نے انہیں یاد کرنے کی کوشش کے بعد ان کا نام شیخ عنایت اللہ طاش قندی بتایا۔ میں نے ان کی رہائش گاہ، محل عمل یا ملاقات گاہ کے متعلق پوچھا تو لاعلمی کا اظہار کیا کہ اس سلسلے میں کچھ نہیں بتاسکتا۔میں نے کہا تو پھر کس طرح ان کا پتہ معلوم ہوگا؟ کہنے لگے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت مجھے سخت مایوسی ہوئی۔

اس کے بعد علامہ نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں چکر لگاتا رہا تاآنکہ شیخ عنایت اللہ سے خدا نے ملاقات کرادی اور میں نے یہ کتاب ان سے حاصل کرلی۔

علامہ کوگراں قدر کتابوں کے حصول کا اتنا شوق ہوتا کہ وہ بعض کتابوں کے لیے منت مانتے تھے کہ اگرفلاں کتاب مل گئی تو اتنی رکعتیں نماز خدا کے لیے پڑھوں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ ایک کتاب کو خریدنے کے لیے میرے پاس روپے نہیں تھے تو میں نے اپنے والد سے ورثے میں آئے ہوئے ایک قیمتی سامان کو بیچ دیا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

" اہل علم کی زندگی میں کتاب کو وہ مقام حاصل ہے جو روح کو جسم میں اور صحت مندی کو بدن میں۔

جس کے شعلے نے جلا سینکڑوں فانوس دیئے:-

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ اپنے بہت سارے اور بے شمار علماء وطلبہ کی آنکھوں میں نہ بستے اور دلوں میں نہ سماتے، اگر وہ محض علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع علامہ ہوتے، یا وہ صرف بڑے محقق ومصنف ہوتے، یا زمانہ دراز تک درس دینے والے کامیاب ترین استاذ ہوتے، یاعالم اسلام کے چپے چپے کی سیر کرنے والے اور جہاں دیدہ ہوتے۔ قلم دوست وکمال پرستوں کی نگاہ میں جس چیز نے انہیں اتنا محبوب ومطاع بنادیا تھا، وہ صحیح معنیٰ میں ان کی علمی وعملی جامعیت تھی کہ کتاب وسنت کے علوم کے دیدہ ورعالم ہونے کے ساتھ ساتھ شیریں اخلاقی، تواضع پسندی، اخلاص ووسیع الظرفی اور النسیت مزاجی وملنساری ان کا شیوہ وشعار اور اسوہ وکردار رہی تھی، جس کی وجہ سے ان کے پاس بیٹھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو سننے اور ان سے ملنے والے کا دل کھینچتا تھا اور تادم زندگی ان کا اسیر محبت ہوجایا کرتا تھا۔

میں نے پایا ہے اسے اشک سحرگاہی میں
جس درنایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

وہ آنکھوں میں بسے ہوئے اور دلوں میں بچھے ہوئے تھے۔ ان کا تواضع ان کی نرم خوئی ودل جوئی، ان کی شرم گیں وذہانت ریز نگائیں، ان کی جبین سجدہ پیشہ، یادالٰہی سے ان کی زبان ادب شناس، ان کی شیریں گفتاری، باوقار چال، حب الٰہی سے معمور سینہ، خشیت خدا سے لبریز دل، دعاء سحرگاہی ونالہ ہائے نیم شبی اور رب شکور کے سامنے مسلسل گریہ وزاری تیز آنسوؤں کی پاکیزہ ونورانی جھری سے نہائی ہوئی ان کی فراخ عربی آنکھیں ان کی سرخ وسپید شاہی شبیہ،ان کا سڈول متوازن اور نفیس عربی جسم، پھلوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح ہر چھوٹے بڑے انسان کے لئے ان کی خمیدہ جبینی و خندہ روئی، مجلس درس وتقریر میں اور ہمہ وقت ان کی گل بار وعطر افشاں زبان اور کلیوں کی طرح تبسم ریز ہونٹوں سے نکلتی ہوئی رس گھولتے ہوئے سبک خرام الفاظوں کی موتی کی سی لڑی ہمیشہ یاد رہے گی۔

کچھ حسین یادوں کے اجالے :۔

میں گرم تھا اور میرا مترجم سرد

۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کا پچاس سالہ جشن منعقد ہوا، ۲ نومبر کی شب میں شیخ ابو غدہؒ کی تقریر تھی۔حدیث وسیرت و مغازی کے گہرے مطالعہ سے تراشیدہ، عمیق فکر اسلامی سے ڈھلی ہوئی اسلامی درد اور دینی ولولوں میں لبی ہوئی اور معانی اور بلاغت سے ردلی ہوئی۔ان کی زبان کا ترجمہ ایک ندوی فاضل کررہے تھے شیخ ہرچند کہ عربی نژاد تھے لیکن علماء برصغیر سے کثرت ارتباط و افادہ و استفادہ اور اس دیار میں باربار کی آمدو رفت کی وجہ سے اردو زبان کو کماحقہ نہ سمجھنے کے باوجود، یہ سمجھ جاتے تھے کہ مترجم سے فلاں بات رہ گئی اور فلاں خیال اپنی ذمہ داری کے ساتھ ادا نہ ہوسکا یا جوش و جذبے کی گل کاری اور افکار خیالات کی نزاکتوں کا احاطہ نہیں ہوسکا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۔اس سلسلے میں ان کی عالمانہ حس اور محدثانہ ذہانت بھی ان کی رہنمائی کرتی ۔ان کا قیام دیگر عرب مہمانوں کے ساتھ دریائے گومتی کے کنارے حضرت محل پارک کے پہلو میں واقع " اودھ کلارک" ہوٹل میں تھا ۲ ۔نومبر کی صبح کو مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاد حدیث و فقہ وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء اور راقم الحروف ان سے ملنے گئے ان کی عالمانہ گفتگو و ظریفانہ وادیبانہ گل افشانی سے فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے کا موقع ملا ۔اسی دوران ان کی شب کی تقریر کا تذکرہ چل نکلا تو نہایت بلیغ جملے میں ترجمے کی خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ **کنت حارا وکان مترجمی باردا** ۔یعنی میں گرم تھا اور میرا ترجمان سرد ۔میں کم و بیش ۱۵ روز کی شبانہ روز کی ان کی مجلس درس و محاضرات وتقریر میں شریک رہا ہوں ۔وہ اگر حدیث پاک، یا اصول حدیث یا کسی موضوع پر درس دیتے تو وہ زیر بحث آنے والے دیگر علوم و فنون پر ایسی فاضلانہ، چشم کشا اور سیر حاصل گفتگو کرتے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا کہ شیخ کا اصل موضوع یہی علوم ہیں اور انہی پر انہیں دستگاہ حاصل ہے ۔ان کے درس و محاضرے میں بیٹھ کر ایسا لگتا کہ ہم ایک ایسے خوش سلیقہ گلستان میں بیٹھے محو نظارہ ہیں، جس میں ہر طرح کے خوش نما و دل ربا پھول اپنی جاں فزا خوشبوؤں کے ساتھ قلب ونگاہ کی آسودگی کا سامان فراہم کررہے ہیں ۔ علماء سلف اور ائمہ کرام کی نیز دور آخر میں علامہ انور شاہ کشمیری وغیرہ کی مجالس درس کا تذکرہ سنا اور پڑھا تو تھا لیکن آنکھوں نے ان کی تصویر شیخ ابو غدہ ہی کے درس وتقریر میں دیکھی ۔

علمی کمال اور دینی جمال کی باد بہاری

۱۳۹۹ ھ مطابق ۱۹۷۹ ء میں ،جب کہ راقم الحروف ندوۃ العلماء لکھنؤ میں استاد زبان عربی کی حیثیت سے کام کررہا تھا، مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مد ظلہ العالی کی دعوت پر شیخ ابو غدہ وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے ندوہ تشریف لائے ۔جمعرات ۲۶ جمادی الآخیر تا ۹ رجب ۱۳۹۹ ھ مطابق ۲۳ مئی تا ۵ جون ۱۹۷۹ ء ندوہ ہی میں ان کا قیام رہا۔ ذمہ داروں کے اصرار مسلسل کے باوجود انہوں نے شہر کے کسی ہوٹل میں قیام گوارا نہ کیا بلکہ عام ہندوستانی مدرسین کی طرح مئی جون کی شدید گرمی میں وہ اس وقت کے سادے مہمان خانے میں جہاں اس زمانے میں ضروری سامان راحت بھی دستیاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں تھے علم و علماء کے درمیان اور دینی فضاء میں قیام کو باصرار ترجیح دیا۔

اس موقع سے فخر ہند محدث عصر مولانا حبیب الرحمن اعظمی سے بھی یہاں تشریف لانے اور قیام فرمانے کی گزارش کی گئی تھی جو انہوں نے از راہ نوازش قبول فرماکر شیخ ابو غدہ کے ساتھ طویل قیام فرمایا۔علم وفضل اور حدیث و اسماء الرجال کے ان دونوں شہہ بازوں کے قران السعدین اور اجتماعی قیام کی وجہ سے ایسا لگتا تھا کہ علم وکمال کی مینہ برس رہی ہے۔ہر طرف علم وفن کی باتیں ،علماء سلف کے قصے ،حدیث واسماء الرجال کے تذکرے ،علمی نکتے اور لطیفے ،مطالعہ وکتب بینی کے مشغلے ان دونوں بزرگوں کی ہمہ وقت کی علمی و مذاکراتی انہماک کی وجہ سے اس طرح قائم ہو گئے تھے جیسے علم وفکر کا بہار آگیا ہو یا فیضان علمی و بخشش آگہی کی باد بہاری چلنے لگی ہو۔

صبح سے بارہ بجے تک کے ہمہ روز درس میں اکثر حضرت مولانا علی میاں ،حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہما اور ندوے کی اونچے درجے کے طلبہ کے علاوہ زیادہ تر اساتذہ بھی شریک ہوتے۔شیخ ابو غدہ (جو دن میں اصول حدیث اور بطور خاص شروط ائمۂ خمسہ ،بخاری ،مسلم ،ابو داؤد ،ترمذی نسائی کا درس دیتے اور رات میں اکثر کوئی عام علمی محاضرہ القا فرماتے) کا ابر علم برستا تو ایک ساتھ گوہر زبان وبیان اور علم و آگہی کا یاقوت و مرجان لٹا جاتا اور سامعین کا دامن ایک ہی نشست میں کف باغ بان اور دامن گل فروش سی زیادہ بھرا پرا نظر آنے لگتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے اپنی ڈائری سے ایک پیراگراف نقل کردیا جائے جو راقم نے آج سے کم وبیش ۱۸ سال قبل شب یک شنبہ ۲۹۔۶۔۱۳۹۹ھ مطابق ۲۷۔۵۔۱۹۷۹ء کو شیخ ابو غدہ کی ایک نشست میں شرکت کے بعد لکھا تھا۔

"ابھی ابھی محدث کبیر علامۂ جلیل شیخ ابو الفتاح استاذ شریعت اسلامی کالج امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے محاضرے اور درس میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوکر واپس ہوا ہوں۔شیخ علم وعمل کی جامعیت سچے مؤمن کی تواضع ،انکساری ،بے نفسی اور رقت قلب کے اعتبار سے نہ صرف عرب بلکہ عالم اسلامی کی بے نظیر شخصیت ہیں۔ہر چند کہ ان کا درس دراصل اصول فقہ ،اصول حدیث،اور شروط ائمۂ خمسہ کے موضوع پر ہوا کرتا ہے ،لیکن وہ فقہ و تفسیر ،ادب ولغت ، نحو وصرف ،قرات و تجوید ، حکمت بیانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلاقت لسانی، لطیف اشاروں اور ماہرانہ رموز و نکات کا جامع ہوا کرتا ہے۔ جس سے درس دہندہ کی سلیقہ مندی، کثرت علم وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، پختہ مغزی، طول تجربہ، فکر وفن سے گہری مناسبت اور اپنے موضوع پر دیرینہ ادھیڑپن کے ساتھ ساتھ راہ اکتساب علم میں ان کا شب بیداری اور شمع شعاری وپروانہ مزاجی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ نیز ان کی ذہانت، قوت حافظہ، کثرت محفوظات، طلبہ و مستفیدین کے سامنے مواد ومضامین پیش کرنے کے حوالے سے ان کی فن کاری اور چابک دستی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان سب چیزوں پر مستزاد ان کی شیرین بیانی، شگفتہ سخنی، فصاحت بیانی، بلاغت شناسی حاضر جوابی اور ادب وظرافت کے عناصر سے مرکب ان کی وہ زبان ہے جس کے سامنے بہت سے پیشہ ور عربی ادیبوں اور خطیبوں کی صنعت کاری ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ عرصہ نوسال سے میں ندوے میں مدرس ہوں لیکن اب تک میں نے آنے جانے والے کسی عربی ادیب وخطیب کی زبان میں وہ چاشنی، سلاست، نہر کی روانی، الفاظ کی شوکت، تعبیر کی لذت، طرز ادا کی نزاکت، جملوں کی حلاوت نہیں دیکھی جو میں ابوغدہ کے یہاں کئی روز سے دیکھ رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اتنی بہت سی خوبیوں سے نواز دیتا ہے۔ ان کا درس سنجیدگی ومزاح کا بھی حسین مخلوطہ ہوا کرتا ہے۔ علمائے سلف کے مسرت بخش لطیفوں سے مجلس درس کو زعفران زار بنائے رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی جب بھی کسی عالم باکمال، زاہد اواب، محدث جلیل، فقیہ بابصیرت کا تذکرہ کرتے یا ان کے حصول علم کی داستان ان کی زبان پر آجاتی ہے۔ یا راہ علم میں بھوک پیاس سے بے پرواہوکر اور راستے کی درازی وخطرناکی سے بے خوف ہوکر ان کے سفر پر شوق کا حال سناتے ہیں یا ان کی بے نظیر اخلاص اپنے خدا اور اس کے رسولؐ سے ان کی محبت وفنائیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ باربار آب دیدہ و بے قابو ہوجاتے ہیں، اور کئی کئی منٹ تک سلسلۂ درس منقطع ہوجاتا ہے۔

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

ہم نے محسوس کیا ہے کہ وہ اخلاص ووفا، رقت قلب، علم وعمل، بے نفسی وخاکساری حیاوخجالت، ایمان ویقین، گدازی ونرم خوئی، دینی صلابت اور ایمانی حرارت کی ایک جیتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاگتی تصویر ہیں۔ یہ خصائل اب کبریت احمر کی طرح خواص و علماء میں بھی کم یاب ہیں۔ عوام و جہلا کا کیا ذکر"

منگل ۹ رجب ۱۳۹۹ھ مطابق ۵ جون ۱۹۷۹ء کو آٹھ بجے صبح لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر انہیں طلبہ و اساتذہ کی بڑی تعداد نے جس خلوص و محبت و عقیدت کے ساتھ رخصت کیا تھا اس کی ہلکی سی جھلک میں نے اپنی ڈائری میں بروز جمعہ ۱۲ / ۷ / ۱۳۹۹ھ ۸ جون ۱۹۷۹ کو ریکارڈ کر لیا تھا۔ اس کی چند سطریں نذر ناظرین کر رہا ہوں:

" ۹ رجب بروز منگل لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر عالم جلیل، مومن مخلص اور محدث و محقق عبدالفتاح بن محمد بن بشیر ابوغدہ حلبی (ولادت ۱۹۱۷ء) کو باچشم ہائے نم و بادل ہائے پر غم طلبہ و اساتذہ کے جم غفیر نے الوداع کیا، بعض طلبہ وفور جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں دلاسا دلایا جاسکا۔ یہاں اپنی نو (۹) سالہ مدرسی کے دوران میں نے پچاسوں علماء و فضلا کو استقبال و الوداع کہتے ہوئے دیکھا ہے لیکن کسی کے تئیں یہ والہانہ عقیدت و محبت دیکھنے کو نہ ملی۔ یہاں ۱۲ - ۱۳ روزہ قیام کے دوران، طلبہ و اساتذہ نے جہاں ان کے گوناگوں علم و آگہی اور فکر و نظر سے استفادہ کیا وہیں لاشعوری طور پر ان کی روحانیت و ربانیت کے شیشۂ جام سے بھی فیض یاب ہوئے۔ ایمان و اخلاص اور ہمت و عزیمت پروان چڑھی، دلوں کا زنگ دور ہوا، عقل و خرد کو پاکیزگی ملی۔ کتب بینی، مطالعہ و علم کوشی، شب و روز علمی انہماک اور افادے و استفادے کے بغیر کسی لمحہ کے ضیاع سے گریز اور تمام اوقات لیل و نہار کو علمی مباحثے، سوالات کے جوابات، علمی مسائل کی کھود کرید، کسی حاشیے کی تحقیق، کسی مغالطے کی تصحیح کسی مضمون کی تیاری و تسوید میں ان کی عجیب و غریب مصروفیات سے (جس کا قصہ ہم دور آخر میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت حکیم الامت تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ سید سلیمان ندوی وغیرہ کے متعلق سنتے آئے تھے) ایسا لگتا تھا کہ علم کا سوق عکاظ اور فکر و نظر کا ذوالمجنہ و مجاز قائم ہو گیا ہے، اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی ایسے امام عظیم کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد نے تعلیم و تدریس کی بساط بچھادی ہے"۔

ہندوستان میں علم کا شجر سایہ دار:-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں راقم الحروف کو ۴ - ۵ مہینے ریاض وحجاز میں قیام اور حرمین شریفین کی زیارت کی اولین مرتبہ سعادت حاصل ہوئی۔ جس کا عنوان جامعۃ الملک سعود ریاض میں عربی زبان کی تدریس کے سلسلے کے ایک پروگرام میں شرکت کرنی تھی۔ اس موقع سے جہاں متعدد علماء وادبائے عرب سے نیاز شرف ملاقات وتعارف حاصل ہوا وہیں علامہ ابوغدہ سے بھی ایک روز تادیر اکتساب فیض کی فرصت ملی۔

راقم الحروف نے اس ملاقات کا تذکرہ اپنے سفر نامے بعنوان "تین مہینے سعودی عرب اور جوار حرمین میں" کی ساتویں قسط شائع شدہ الداعی مورخہ ۴ - ۱۹ ربیع الاول مطابق ۱۰ - ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء میں مختصر طور پر کیا تھا۔ اس کے چند جملے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"شب جمعہ وشنبہ ۲۹ / رجب ویکم شعبان ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۲ - ۱۳ مئی ۱۹۸۳ء کو چند احباب کے ساتھ علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ استاذ (کلیہ اصول الدین) جامعہ امام محمد بن سعود ریاض سے ان کی قیام گاہ واقع میدان دخنۃ ریاض میں شرف ملاقات واستفادہ حاصل ہوا۔ شیخ علمائے ہند کے بڑے قدرداں اور علوم کتاب وسنت میں ان کی گیرائی وگہرائی کے اور اسلامی علوم میں ان کے متفردانہ رسوخ کے بے حد قائل ہیں، شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی، علامہ کشمیری، مولانا بنوری اور مولانا بدرعالم میرٹھی وغیرہ کے بالخصوص بڑے مداح ہیں اور ان کے علمی ترکے سے استفادے کا پیہم تعلق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور اس کے مکتب فکر کو ہندی مسلمانوں کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں، اسی لیے جیسے مجلس جمی شیخ نے دارالعلوم دیوبند کا احوال معلوم کرنا شروع کردیا اور فرمایا کہ یہ ہندوستان میں "علم کا شجر سایہ دار" ہے۔ اس نے فکر اسلامی اور ثقافت دینی کی بے حساب خدمت کی ہے۔ ہم اس کی بقاوترقی اور مزید فیض رسانی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ شیخ نے طلبہ واساتذہ کی تعداد، نئی تعمیرات اور کتب خانے میں موجود مخطوطات کی نئی فہرست کی تیاری کی بابت معلوم کیا۔ جب ہم نے یہ کہا کہ ہم لوگ اور اساتذہ وطلبہ دارالعلوم آپ سے حد درجہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں تو فرمایا کہ مجھے بھی دارالعلوم سے ناقابل بیان محبت ہے اور میں تو اس کے علماء ومشائخ کا خوشہ چیں رہا ہوں۔ اس موقع سے شیخ نے اپنی ایک غلط فہمی کا اظہار فرمایا کہ آپ کے ہاں عربی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان وادب کے ایک فاضل ہیں، میں ان کا بہت مداح ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہ دارالعلوم کو چھوڑ کر سعودی سفارت خانے میں منتقل ہوگئے ہیں، ان کا نام مولانا وحیدالزمان کیرانوی ہے۔ عرض کیا گیا کہ شیخ آپ کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہوگی کہ ان کے بھائی مولانا عمید الزمان کیرانوی عرصے سے وہاں ملازم ہیں اور نام کے تشابہ اور کیرانوی کے اشتراک سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا۔ فرمایا الحمدللہ! مجھے اس غلط فہمی سے بے حد تکلیف تھی، وہ بڑے ذہین، قادر الکلام اور عربی کے باصلاحیت اہل قلم ہیں انہیں دارالعلوم ہی میں رہنا چاہیئے، ہندوستان واپسی پر انہیں میرا سلام ضرور پہنچادیجئے۔

مولانا بدرعالم میرٹھی اور ایک عرب بدو کا واقعہ :-

" اس موقع سے شیخ نے اپنی تحقیق کے ساتھ طبع شدہ ابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ کی کتاب " المنارالمنیف فی الصحیح والضعیف " حقیر کو ہدیہ کی، اپنی معہودہ تواضع ومحبت کے ساتھ، ناچیز نے ان سے ہدیے کے الفاظ اپنے قلم سے تحریر فرمادینے کی درخواست کی تو انہوں نے تصحیح اور مکمل نام معلوم کیا۔ راقم نے (نورعالم خلیل الامینی) بتایا تو گراں قدر دعادی کہ خدا آپ کو ہدایت کا نور اور تاریکیوں کو کافور کرنے والا بنائے۔ پھر ایک دلچسپ قصہ سنایا کہ آپ لوگ علامہ بدرعالم میرٹھی کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔ وہ دارالعلوم کے ایک ذی علم فاضل اور ہندوستان کے کبار علماء میں تھے۔ ایک روز وہ مسجد نبویؐ میں مواجہہ شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عربی بدو آیا اس نے صلاۃ وسلام کے بعد ان کو سلام کیا اور ان سے متعارف ہونا چاہا اور بدویانہ لہجے میں پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟ آپ نے " بدرعالم " بتایا تو اس نے نازو اعتماد کے عجیب وغریب ایمان افروز ومحبت فروز لہجے میں کہا ! نہیں تم بدرعالم (دنیا کا ماہ تمام) نہیں ہوسکتے۔ دنیا کا ماہ تمام اور بدرعالم تو یہ ہیں۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، مولانا بدرعالم پر اس کا شف حقیقت جملے سے جذب ومستی کی کیفیت طاری ہوگئی وہ دیر تک سر دھنتے اور واہ واہ کرتے رہے "۔

ازدل خیزد، بردل ریزد:-

۲۹ - ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء کو دارالعلوم حیدرآباد میں " حدیث وسیرت نبویؐ " کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع پر عالمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، تو اس میں امام حرم شیخ عبدالرحمن السدلسی اور دیگر عربی وفود کے ساتھ، ہم لوگوں کی خوش قسمتی سے شیخ ابوغدہؒ بھی تشریف لاکر مجلس کی رونق ووقار کا سبب بنے، ایک نشست میں سیرت نبویؐ کے موضوع پر ان کی پر مغزوبرجستہ تقریر ہوئی، عربی زبان کو سمجھنے اور نہ سمجھنے والے دونوں طرح کے سامعین، مقرر کے حسن بیان، فصاحت وبلاغت کے عطر وعنبر سے ڈھلی ہوئی اور حب نبویؐ سے منور زبان سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کی تقریر برجستہ اور اچانک ہوگی ورنہ ٹیپ کرنے کا انتظام ضرور کرتا۔ تقریر کے بعد ان سے ملنے کو بڑھا، میں نے علیک سلیک کے بعد شیخ سے پوچھا کہ شاید آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے فرمایا!

" ومن الذی لایعرفک من المتقفین الذین یتابعون الداعی "۔

" الداعی " کو پابندی سے پڑھنے والا کون لکھا پڑھا آدمی ہوگا جو آپ کو نہ جانے ؟ پھر اپنے ساتھ اپنی قیام گاہ چلنے کا حکم فرمایا اسطرح اپنے کئی احباب کے ساتھ ڈیڑھ دو گھنٹے تک ان کی بزم منور سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کی ختم نبوت کانفرنس :-

۲۴ - ۲۶ / صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۹ - ۳۱ / اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم دیوبند نے عالمی مؤتمر برائے تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف (حال نائب صدر مجلس شوریٰ ، سعودی عربیہ) کو موتمر کے افتتاح کے لیے اور علامہ ابوغدہ کو اس کی صدارت کے لیے موعو کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے راقم الحروف نے دیگر اور بھی عرب فضلا کو خطوط لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بخوشی دعوت کو قبول فرمایا لیکن سابقہ مشاغل کی وجہ سے ۳۱ اکتوبر کی نشست میں رونق افروز ہوسکے اور گراں قدر خطاب سے جلسے کی معتبریت میں اضافہ فرمایا۔ ان کی مکمل تقریر اور دارالعلوم کی طرف سے ان کو دیے گئے سپاس نامے کا متن الداعی کے خصوصی شمارہ " ختم نبوت " مورخہ ۱۰، ۲۵ نومبر و ۱۰، ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کے مشترکہ شمارہ میں پڑھا جاسکتا ہے۔

شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی پہلے سے طے شدہ ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے شریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مؤتمر نہ ہوسکے جس کا اظہار انہوں نے مہتمم صاحب کے نام معذرت نامے میں کیا تھا۔ ان کا یہ مکتوب گرامی ان کی تقریر ہی طرح ان کی شگفتہ نگاری اور ان کی انشاو تحریر کا بہترین نمونہ ہے۔ اردو ترجمے میں چونکہ اس کی خوبیوں کو کماحقہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اسے قلم انداز کیا جاتا ہے، الداعی کے ختم نبوت نمبر میں اس کا مکمل عربی متن محفوظ ہے۔ وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کی تیسری عمومی اسلامی کانفرنس اور لازوال مقدس وبابرکت یادیں:-

حیدرآباد کی ملاقات کے بعد طویل عرصے تک شیخ کی زیارت سے محروم رہا تاآنکہ کہ ۱۸ - ۲۲ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱ - ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو رابطۃ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں تیسری عمومی اسلامی کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا کے سات سو سے زیادہ علماو مفکرین اور اہل علم وصحافت مدعو تھے۔ ہندوستان سے بھی مدعووین کی ایک قابل لحاظ فہرست تھی جن میں سرفہرست رابطے کے رکن تاسیسی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ افراد میں راقم الحروف اور مولانا سید اسعدمدنی مدظلہ بھی مدعو تھے۔

رابطے نے مہمانوں کے قیام کے لیے ہوٹل انٹرکانٹینینٹل (جس کے قاعۃ التضامن من الاسلامی اور سلامی میں موتمر کے تمام پروگرام ہوئے) جو حرم سے خاصے فاصلے پر ہے۔ نیز فندق الجیاد میں انتظام کیا تھا، یہ ہوٹل حرم پاک سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا، خوش قسمتی سے راقم الحروف کو حرم پاک سے متصل اسی ہوٹل میں جگہ ملی جس سے کعبۃ اللہ کا بار بار طواف اور حرم میں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی میں سہولت رہی فالحمد اور علی ذلک۔

اتفاق سے اسی ہوٹل میں شیخ ابوغدہؒ کی فرودگاہ بھی تھی اور موتمرگاہ آتے جاتے ہوئے اکثر ایک ہی بس یا کار میں جگہ مل جاتی تھی۔ میرے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات تھی کہ خدا کے اس مقدس ترین شہر اور خانہ خدا کے پڑوس میں ہونے والی اس کانفرنس کے طفیل میں بڑے بڑے علماء ودانش وروں کے ساتھ ساتھ شیخ ابوغدہؒ ایسے علاقہ یگانہ وخدارسیدہ اور محب رسولؐ وعاشق علم وعلماء کی طویل صحبت اور پیہم ملاقاتوں کی توفیق بخشی۔ فرصت کے اوقات میں بھی اپنے بعض احباب کے ساتھ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے بحر علم و کمال کی موج ہائے بے پناہ کا تماشاہی سہی دیکھ کر دل کو فرحت اور دماغ کو لطف ملتا۔

حیف کہ اس کے بعد شیخ سے کبھی ملاقات کی سعادت حاصل نہ ہوسکی، کئی بار ریاض جانا ہوا لیکن میری حاضری کے وقت وہ اتفاقاً وہاں موجود نہ ہوتے کسی علمی اور ضروری سفر پر ہوتے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ :۔

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند (مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ) کا برابر اصرار رہا اور ہم اساتذہ دارالعلوم کی خواہش بے پناہ تھی کہ شیخ کو دارالعلوم میں کسی موقع سے ایک دوماہ کے لیے بلایا جائے تاکہ طلبہ واساتذہ ان سے استفادہ کر کے اپنے مشائخ واکابر سے فیض یاب ہونے کی یاد تازہ کرسکیں۔ لیکن ہم لوگ یہ سوچتے ہی رہے، آج کل کرتے کرتے وقت بہت آگے نکل گیا اور شیخ کی عمر عزیز کا قافلہ سبک خرام رواں دواں اپنی منزل کو جالیا۔ وقت کس کا انتظار کرتا ہے؟ اور لیل ونہار کی گردش کس کیلئے تھمتی ہے؟ رہے نام اللہ کا۔

خدا انھیں صلحاواتقیااور اپنے برگزیدہ انبیاء کے ساتھ جنت الفردوس کا مکیں بنائے اور ان کے تمام اعزاواقربا، تلامذہ ومحبین ، متعارفین اور ان کے لیے دعاکنندہ کو صبر جمیل دے اور اجر جزیل سے نوازے۔ اے خدا ہم تجھی سے سہارا لیتے اور تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تیری ہی حضور میں ہمیں جانا ہے۔ خدا کا درودوسلام اور رحمت وبرکت نازل ہو۔ ہمارے حضرت ہمارے نبی ہمارے شفیع محمد پر، ان کی آل واولاد پر اور ان کے تمام اصحاب پر، ساری تعریفیں صرف سارے جہان کے پالن ہار کے لیے ہیں۔

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ کی اہم تالیفات وتحقیقات

تصنیف کردہ کتابیں :۔

صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل / ۴ ایڈیشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲)۔ العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج / ۴ ایڈیشن

۳)۔ قیمۃ الزمن عند العلماء / ۶ ایڈیشن

۴)۔ الرسول المعلم واسالیبہ فی التعلیم

۵)۔ لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث / ۲ ایڈیشن

۶)۔ امراء المومنین فی الحدیث

۷)۔ الاسناد من الدین ومعہ۔ صفحۃ مشرقۃ من تاریخ سماع الحدیث عند المحدثین

۸)۔ السنۃ النبویۃ وبیان مدلولھا الشرعی

۹)۔ تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی

۱۰)۔ منہج السلف فی السؤال عن العلم وفی تعلیم مایقع ومالم یقع

۱۱)۔ من ادب الاسلام

۱۲)۔ نماذج من رسائل ائمۃ السلف وادبھم العلمی

۱۳)۔ کلمات فی کشف اباطیل وافتراءات

۱۴)۔ مسئالۃ خلق القرآن واثرھا فی صفوف الرواۃ والمحدثین وکتب الجرح والتعدیل۔

تحقیق کردہ کتابیں:۔

۱)۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل / علامہ عبدالحی فرنگی محلی / ۳ ایڈیشن

۲)۔ الاجوبۃ الفاضلۃ الاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ / علامہ فرنگی محلی / ۲ ایڈیشن

۳)۔ تحفۃ الاخبار باحیاء سنۃ سید الابرار / علامہ فرنگی محلی

۴)۔ نخبۃ الانظار علی تحفۃ الاخبار / علامہ فرنگی محلی

۵)۔ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف / امام ابن قیم جوزیہ / ۵ ایڈیشن

۶)۔ المصنوع فی معرفۃ الحدیث / امام علی قاری / ۳ ایڈیشن

۷)۔ قواعد فی علوم الحدیث / شیخ ظفر احمد تھانوی / ۶ ایڈیشن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل / تاج الدین سبکی / ۵ ایڈیشن

۹) المتکلمون فی الرجال / حافظ سخاوی / ۴ ایڈیشن

۱۰) ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل / حافظ ذہبی

۱۱) الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث / حافظ ذہبی / ۲ ایڈیشن

۱۲) قفر الاثر فی صفو علم الاثر / ابن حنبلی

۱۳) لغتۃ الاریب فی مصطلح آثار الجبیب / حافظ زبیدی

۱۴) جواب الحافظ المنذری عن اسئلۃ فی الجرح والتعدیل۔

۱۵) توجیہ النظر الیٰ اصول الاثر / شیخ طاہری الجزائری۔

۱۶) ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی / علامہ فرنگی محلی۔

۱۷) کشف الالتباس عما اوردہ الامام البخاری علیٰ بعض الناس / الغنیمی

۱۸) مکانۃ الامام ابی حنیفۃ فی الحدیث / مولانا نعمانی۔

۱۹) التبیان لبعض المباحث المتعلقۃ بالقرآن / علامہ الجزائری۔

۲۰) تصحیح الکتب و صنع الفھارس المعجمۃ / علامہ احمد شاکر

۲۱) تحفۃ النسال فی فضل السواک / علامہ میدانی۔

۲۲) العقیدۃ الاسلامیہ التی ینشاء علیھا الصغار / ابو زید قیروانی

۲۳) الحلال والحرام وبعض قواعد ھما فی المعاملات المالیۃ / شیخ الاسلام ابن تیمیہ

۲۴) رسالۃ المسترشدین / امام حارث محاسبی / ۷ ایڈیشن

۲۵) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح / علامہ محمد انور شاہ کشمیری / ۵ ایڈیشن

۲۶) الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام وتصرفات القاضی والامام / امام قرافی / ۲ ایڈیشن

۲۷) الترقیم وعلاماتہ / احمد زکی پاشا

۲۸) سباحۃ الفکر بالجھر بالذکر / علامہ فرنگی محلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۹) قصیدہ "عنوان الحکم" لابی الفتح السبتی

۳۰) رسالۃ الالفۃ بین المسلمین / امام ابن تیمیہ و معھارسالۃ فی الامامۃ / امام ابن حزم ظاہری

۳۱) اقامۃ الحجۃ علی ان الاکثار من التعبد لیس بدعۃ / علامہ فرنگی محلی

۳۲) فتح باب العنایۃ بشرح کتاب النقایہ "فقہ حنفی" / ملا علی قاری

۳۳) فقہ اھل العراق وحدیثھم / علامہ زاہد کوثری

۳۴) خلاصۃ تھذیب الکلام فی اسماء الرجال / حافظ خزرجی

حواشی:۔

۱) اخوان المسلمون، سیریا کا تعزیتی بیان، المجتمع کویت، شمارہ ۱۸ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۵ / ۲ / ۱۹۹۷ء

۲) اہم تصنیفات و تحقیقات کی ایک فہرست مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳) مضمون بر علامہ ابوغدہؒ از استاذ عبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان، عکاظ، جدہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۸ شوال ۱۴۱۷ھ / ۲۵ فروری ۱۹۹۷ء

۴) علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۳۰ - ۸۱۷ھ / ۱۳۲۹ - ۱۴۱۴ء) کی مشہور عربی لغت جس کی علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵ - ۱۲۰۴ھ / ۱۷۳۲ - ۱۷۹۰ء) نے تاج العروس من جواہر القاموس کے نام سے شرح لکھی تھی جو عربی زبان کی شہرہ آفاق لغات میں سے ایک ہے اور اپنے خصائص کے اعتبار سے فائق۔

۵) مضمون شیخ محمد عوامہ بر علامہ ابوغدہ، شائع شدہ روزنامہ عکاظ، جدہ، سعودی عربیہ، شمارہ سہ شنبہ ۱۱ / ۱۰ / ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۹۷ء

۶) پیچھے گزر چکا ہے کہ شہر حلب کے اس مدرسے میں شیخ ابوغدہؒ نے بھی تعلیم حاصل کی تھی اور اب یہ مدرسہ ثانویہ شرعیہ کے نام سے معروف ہے۔

۷) شیخ محمد عوامہ کا مذکورہ مضمون

۸) کتاب مذکورہ جلد نمبر ۱، ص ۸ - ۹

۱۰) کتاب صفحات من صبر العلماء، ص ۲۷۹

۱۱) حوالہ سابق

۱۲) " " ص ۲۵۶

© rasailojaraid.com